مفکرِ اسلام سیّد مودودیؒ

حافظ محمد ادریس

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ اس صدی کے عظیم ترین انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ ان کے دل میں اللہ اور اسکے رسولؐ کی سچی محبت، ملت اسلامیہ کا حقیقی درد اور پوری انسانیت سے خیر خواہی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی شخصیت اتنی جامع اور ہمہ پہلو تھی کہ اس کا مطالعہ کرنے والے ایک ایک پہلو پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔

مجھے سیّد مودودیؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ علم کا ایک سمندر ہیں۔ جسکے کنارے معلوم نہیں اور جسکی گہرائی کا اندازہ مشکل ہے۔ جب اور قریبی تعلق قائم ہوا تو پتہ چلا کہ وہ ایک بلند و بالا، مضبوط پہاڑ ہیں جسے اسکی جگہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا، عزیمت و استقامت کا یہ پہاڑ کسی طوفان اور سیلابِ بلا سے سرنہ ہوسکا۔ جب مزید قرب کا اعزاز حاصل ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ محبت کا ایک زمزمہ ہیں جسکی محبت کا چشمہ صافی کبھی گدلا نہیں ہوتا۔ میں نے سیّد مودودیؒ کو جس پہلو سے بھی دیکھا ان کی عظمت نے مجھے اپنا گرویدہ بنایا۔

میں سوچتا رہا کہ ان کی جرأت و بہادری میں کوئی ہم عصر ان کا ثانی نہیں۔ تو کیا جرأت و شجاعت ان کی امتیازی شان ہے؟ صبرو تحمل اور بردباری میں وہ یکتائے روزگار ہیں۔ تو کیا یہ صفت ان کی پہچان ہے؟ اسلام دشمنوں کے لیے وہ ننگی تلوار ہیں اور اس ضمن میں مداہنت ان کی لغت ہی میں نہیں۔ کیا اس وصف نے ان کو سارے معاصرین سے ممیز کر دیا ہے؟ ان کی زبان اردوئے معلیٰ اور ان کا قلم معجز بیان ہے تو کیا اس پہلو نے ان کو ممتاز بنا دیا ہے؟ ان کے کردار و گفتار، اخلاق و معاملات، علم و حلم، شجاعت و حکمت جس چیز کو دیکھتا ہوں دنگ ہی رہ

جاتا ہوں۔ میرے خیال میں ان کی امتیازی شان ایک ہی تھی کہ وہ ہر معاملے میں اللہ کے بندے اور محمد عربیؐ کے مطیع فرمان تھے۔ اپنی تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں، جو ہر اور ہنر، فن اور کمال سب کو اس ایک کام کے لیے وقف کر دیا تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا کلمہ سربلند ہو اور بندگانِ خدا سوائے خدا کے کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہوں۔

سید مودودیؒ نے دین حق کو اجاگر کرنے کے لیے وہ اصطلاحات استعمال کیں جو نئی تو نہیں تھیں مگر بدقسمتی سے دنیا کے لیے اجنبی ہو چکی تھیں اور امتِ مسلمہ بھی انھیں ترک کر چکی تھی۔ انھوں نے شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دیا اور اس کے لیے اردو میں اسلامی لٹریچر کا ایک ایسا لازوال ذخیرہ چھوڑا جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ انھوں نے ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی جو برصغیر ہی میں نہیں پوری دنیا میں سرگرمِ عمل ہے۔ ان کی کتابوں کے مشرق و مغرب کی ہر زبان میں ترجمے ہو رہے ہیں اور غیر مسلم ان سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہے ہیں جبکہ مسلمان ان کے فیضان سے حقیقی اسلام سے متعارف ہو کر شعوری طور پر اسلام کے مطابق زندگیاں ڈھال رہے ہیں۔ ان کا لٹریچر بھی صدقہ جاریہ ہے اور ان کی تحریک بھی۔

سید مودودیؒ کو ان کے لٹریچر کے آئینے میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کس قدر نوازا تھا۔ بدقسمتی سے ان کے مخالفین نے مخالفت میں زمین آسمان کے قلابے تو ملا دیے مگر ان کی تحریروں کو نہ خود پڑھا نہ اپنے متوسلین کو پڑھنے دیا۔ ان پر لگائے جانے والے الزامات اسقدر سطحی، بودے، لغو اور لچر ہیں کہ انسان انھیں پڑھ سن کر حیران رہ جاتا ہے۔ سید مودودیؒ کے عقیدت مندوں میں بھی ایک تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ان کی تحریریں یا تو بالکل نہیں پڑھیں یا کہیں کہیں سے جزوی حصے بے توجہی سے دیکھے ہیں۔ ایسے لوگ ساری عقیدت و محبت کے باوجود حقیقی مودودیؒ کو نہیں پہچان سکتے۔ مودودیؒ سے تعارف تو ان کی تحریروں ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

سید مودودیؒ نے ۲۴ سال کی عمر میں اپنی ضخیم کتاب "الجہاد فی الاسلام" لکھی۔ اس موضوع پر موجودہ دور میں کسی بھی زبان میں اس پائے کی کتاب نہیں لکھی گئی۔ جنگوں کے فلسفے اور تاریخ کو مستند حوالوں سے ہر قوم کے اپنے مآخذ سے بیان کیا گیا ہے، اسلام پر لگائے جانے والے الزامات کا مسکت اور منہ توڑ جواب دیا ہے اور قتال فی سبیل اللہ کو نہایت دل نشین اور مدلل انداز میں دیگر جنگوں سے ممیز و ممتاز کر کے پیش کیا ہے۔ اگر سید مودودیؒ نے صرف یہی ایک کتاب لکھی ہوتی تو بھی بطور مصنف و محقق ان کا نام زندۂ جاوید رہتا۔

"رسالہ دینیات" اسلام کا ایسا عام فہم، سلیس اور جامع تعارف ہے کہ ہر مسلم اور غیر مسلم اس سے یکساں استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ کتاب اب تک دنیا کی چالیس سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے مختلف خطوں میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے۔

"خطبات" کے ذریعے اسلام کے بنیادی عقائد و ارکان کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے کہ اسلام محض ایک جامد نظریہ یا عقیدہ نہیں بلکہ ایک متحرک، زندہ و پائندہ نظامِ زندگی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اس کے جملہ احکام کی حکمتیں واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں۔ "خطبات" پڑھ لینے کے بعد نماز محض چند حرکات و سکنات کا نام نہیں ہوتا بلکہ بندے کا اپنے آقا کے سامنے پورے فہم و شعور کے ساتھ حاضر ہونے کا احساس اسے اس نماز سے متعارف کراتا ہے جس میں سب فاصلے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ تقرب اور براہ راست تعلق ہی تو نماز کی حقیقی روح ہے اور اسی سے دل کو سکون و قرار ملتا ہے۔

روزہ محض بھوک پیاس نہیں بلکہ عشق الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔ زکوٰۃ چٹی نہیں بلکہ عبادت کا روپ دھار لیتی ہے اور اسکے ادا کرنے میں ایک گونہ طمانیت اور روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ حج محض سیر و سفر اور زیارت نہیں بلکہ اپنے مالک سے ملاقات اور اسکی عظمت کے ادراک سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جہاد محض خون ریزی نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا حصول اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے سب کچھ نچھاور کر دینے کے جذبے، عزم اور نیت کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔

مغربی تہذیب کی یلغار کے سامنے امتِ مسلمہ نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ مغرب کی نقالی اور ان کے کلچر و ثقافت سے مرعوبیت کا روگ ہر طبقے کو گھائل کر چکا تھا کہ سید مودودیؒ میدان میں اترے۔ مردانہ وار یہ جنگ لڑی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے جذبات بھڑکانے کی بجائے منطق اور دلیل اور اعداد و شمار کی زبان میں بات کی اور اپنے اچھوتے انداز بیان اور بے پناہ زور قلم کی مدد سے مغرب اور اسکی جھوٹی اقدار کا طلسم توڑ کے رکھ دیا۔ سید مودودیؒ نے مغرب کو اس کی اپنی تہذیب کی تباہ کاریوں کا جو آئینہ دکھایا ہے اس میں اس کا بھیانک چہرہ اور گھناؤنا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ "پردہ" ہو یا "اسلام اور ضبطِ ولادت" ہر جگہ اسلام مغرب پر حاوی اور غالب نظر آتا ہے۔ مغربی دنیا کے اپنے مہیا کردہ کوائف اور اعداد و شمار ان کے منہ پر جس طرح سید مودودیؒ نے دے مارے ہیں وہ انہی کا حصہ تھا۔

فقہی مسائل سے لیکر موجودہ سائنسی دور کے پیچیدہ مسائل تک ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور

اسلام کو اسکی حقیقی روح کے ساتھ نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش فرمایا۔ "رسائل و مسائل" صدیوں تک انسانی معاشرے میں پیش آمدہ مسائل کے لیے رہنمائی کا کام کرتی رہے گی۔ یہاں یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مرشد مودودیؒ کے شاگردِ رشید اور ہمارے دور کے مایہ ناز محقق اور عالم جسٹس (ریٹائرڈ) مولانا ملک غلام علی صاحب نے اس سلسلہ کو جس کامیابی اور حسن و خوبی کے ساتھ جاری رکھا ہے، وہ قابلِ اطمینان بھی ہے اور لائقِ تحسین بھی۔

"تجدید و احیائے دین" اور "خلافت و ملوکیت" مولانا مرحومؒ کی وہ شہرہ آفاق اور تحقیقی کتب ہیں جن پر بے محابا تنقید اور شور و غوغا سننے میں آیا۔ تنقید کا بلاشبہ ہر شخص کو حق ہے مگر نقد و نظر کے علمی اصولوں اور اسلامی اخلاقی حدود کو لوگوں نے کم ہی ملحوظ رکھا ہے۔ جن عبارتوں پر مخالفت کا طومار باندھا گیا، مخالفین کے اکابر کی عبارتوں سے ان کا موازنہ کیا گیا تو عقل دنگ رہ گئی کہ ناقدین کس بنیاد پر تنقید کر رہے ہیں۔ مختلف شخصیات کیلئے نقد و نظر کے پیمانے بھی اگر بدل جائیں تو پھر علم و حکمت کے موتیوں کی قدر کیا رہ جائیگی؟

دونوں کتابیں اپنے موضوعات پر بہت اہم دستاویزات ہیں اور مولانا مودودیؒ نے تاریخ کا ایسا مؤثر تجزیہ کیا ہے کہ ایک جانب اسلام کی حقانیت اور دائمی صداقت کھل کر سامنے آتی ہے اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی واشگاف ہو جاتی ہے کہ انسانی عظمت و رفعت کے باوجود انبیاء کرام کے علاوہ دیگر انسان معصوم نہیں ہوتے۔ آنے والے محققین اسی نظر سے سیّد مودودیؒ کی کاوشوں کا بھی تجزیہ کریں گے اور انھیں ان کے کام میں جہاں صواب نظر آئے گا وہاں خطا بھی بعید ازامکان نہیں۔ مودودیؒ بھی ہماری طرح ایک انسان تھے۔ تجدید و احیائے دین کا کام اللہ نے ان سے لیا۔ انسانی اور بشری تقاضوں سے ان سے بھی سہو ونسیان اور غلطی و خطا ہوئی ہوگی۔ اسکی علمی انداز میں نشان دہی نہ کوئی جرم ہے نہ اس پر کسی کو اعتراض ہوگا۔ ہاں البتہ الزام و اتہام اور علمی دلیل کے ساتھ غلطی کی نشاندہی میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

سیّدؒ نے جس طرح مغربی تہذیب کو للکارا، اسی طرح ہر باطل نظریے اور جھوٹے دین کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ بیک وقت کئی کئی محاذ کھلے اور اس بندۂ خدا نے ہمت نہیں ہاری۔ چومکھی لڑائی لڑی اور ہر میدان میں ایک مجاہد کی حیثیت سے اپنے قلم و زبان کے جوہر دکھائے۔ انگریزوں کی کاشتہ جھوٹی نبوّت پر بلاشبہ مسلم علماء نے کاری ضربیں لگائیں۔ ان سب لوگوں کی تمام کاوشیں قابل صد مبارک باد ہیں۔ اس موضوع پر سیّد مودودیؒ نے "عقیدۂ ختمِ نبوت" اور "مسئلہ قادیانیت" لکھ کر جو خدمت سرانجام دی ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔ اسی موضوع پر

سید مودودیؒ کو فاتح تختہ دار کا اعزاز ملا۔ "قادیانی مسئلہ" محض ایک تاریخی کتاب ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز کتاب ہے۔ "مسئلہ ختمِ نبوت" ایسا کتابچہ ہے جس نے قادیانیوں کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔

مجھے ایک قادیانی مشنری نیروبی میں ملا۔ کئی دنوں کی بحث کے دوران میں ایک روز اسکی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے "اس ظالم (مودودی رحمتہ اللہ علیہ) نے ہمارے خلاف یہ کتابچہ لکھ کر ہمیں جو زک پہنچائی ہے' وہ بڑی بڑی کتابوں اور اشتعال انگیز کانفرنسوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے"۔ واضح رہے کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم نے "ختمِ نبوت" انگریزی ' سواحلی اور دیگر مقامی زبانوں میں ترجمہ کروا کے مشرقی افریقہ میں خصوصاً اور پورے براعظم میں عموماً پھیلا دیا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کتابچے نے افریقہ میں معجزانہ طور پر قادیانیت کی بیخ کنی کر دی۔

سید مودودیؒ نے کیمونسٹ ' دھریے ' ملحد و منحرفین ' لادین اور مغرب زدہ عناصر سب کا تعاقب کیا۔ سید مودودیؒ کی اس چومکھی لڑائی کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں وہ کس طرح اتنے سارے کاموں سے عہدہ برا ہوتے تھے۔ جماعت کی تنظیم اور اس کے تقاضے ' برادر تنظیموں کے معاملات اور ان کی راہ نمائی ' عالمی اسلامی تحریکوں سے روابط اور حالات سے واقفیت ' بے شمار مہمانوں کی آمد اور ان سے ملاقاتیں ' تحریکی رسالوں میں مضامین اور معاندانہ اخباری بیانات کے جوابات ' لا تعداد خطوط و استفسارات اور ان کے جواب میں مکتوبات' تحقیقی و علمی کام اور اس کیلئے مطالعہ اور حوالہ جات ' بے شمار صحافیوں کے انٹرویوز اور سوالات۔ ایک جان ناتواں اور اس کے ساتھ بہت سے امراض کی یلغار اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آئے دن حکومتِ وقت کی انتقامی کارروائیاں ' جیل کی کوٹھڑی اور زنداں کی دیوار ' یہ سب جاری تھا مگر سیدؒ کی فکر کے سوتے رواں دواں رہے۔ اور ان کا قلم نور کی شمعیں فروزاں کرنے کیلئے ہر لمحے مستعد اور تیار رہا۔ نہ مایوسی نہ اضمحلال! ایک جذبِ دروں تھا کہ روزافزوں رہا تا آنکہ اللہ کا بندہ اپنے اللہ سے جا ملا۔

سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ راتوں کو نمازِ عشاء کے بعد جو قلم سنبھالتا تو پھر صبح کی اذان تک اسی جہاد میں مصروف رہتا۔ ستاروں کے قافلے ایک مدت تک اسے راتوں کو جاگ جاگ کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کرنے میں منہمک دیکھتے رہے۔ کئی بار ہم نے انھیں فرماتے سنا "میں نے اپنے سارے جسم کو اتنی مشقت میں ڈالا ہے کہ اب ایک ایک عضو مجھ

سے انتقام لے رہا ہے"۔ جن دنوں میں ڈاکٹروں نے مطالعے سے مکمل طور پر منع کر رکھا تھا مجھے
ان دنوں میں بھی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ فرمایا کرتے تھے "ان لوگوں کو کیا
علم ہے کہ انسان کیلئے مطالعہ کس قدر ضروری ہے' میرا اگر بس چلے تو میں اپنی قبر میں بھی اینٹوں
کی جگہ کتابیں چنواؤں"۔

عرض کر رہا تھا کہ سید مودودیؒ نے چوتھی لڑائی لڑی۔ منکرینِ حدیث کے مقابلے پر علماء
نے بند باندھنے کی قابلِ قدر کوششیں کیں مگر حکومت کی سرپرستی میں فتنہ انکار حدیث مضبوط
سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ جب سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ اس میدان میں اترے تو انھوں نے
اپنی روایات کے عین مطابق نہایت ٹھنڈے دل سے منکرینِ حدیث کے رکیک حملوں کا تفصیلی
جائزہ لیا۔ ایک ایک کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیا اور ان کی عقلیت پرستی اور منطق کو
اس انداز میں چیلنج کیا کہ وہ لوگ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ بہت
کچھ تلملائے ' جھنجلائے ' اشتعال میں آئے ' بازاری حربے استعمال کیے مگر سیدؒ کی پکڑ اتنی
مضبوط تھی اور اس کے دلائل و براہین اتنے قاطع کہ بھاگنے کی کوئی جگہ ملی نہ سر چھپانے کیلئے
کوئی پناہ۔

سید مودودیؒ کی تمام کتابوں کو میں نہایت قدر اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں مگر ان کی
معرکتہ الاراء کتاب "سنت کی آئینی حیثیت" میرے نزدیک اس اہم موضوع پر اتنی وقیع کتاب
ہے کہ صدیوں میں کبھی ایسی کوئی کتاب منصۂ شہود پر آتی ہے۔ بہت سے گمراہ لوگ اس کتاب
کی برکت اور نور سے راہ ہدایت پانے میں کامیاب ہوئے۔

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ بدقسمتی سے دورِ انحطاط میں مسلمانوں کے ذہن میں یہ
بات ڈال دی گئی تھی کہ اسلام اس دور کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔ سید مودودیؒ نے اس
واہمہ کو بھی پاش پاش کر دیا۔ بہت سے جدید تعلیم یافتہ مسلمان خلوصِ نیت سے یہ سمجھتے تھے کہ
قرآن ایک مقدس مذہبی کتاب تو ہے مگر ایک جدید ریاست کیلئے دستور و قانون کے تقاضے پورے
نہیں کرتی' معروف قانون دان اور صوفی منش سکالر اے ۔ کے ۔ بروہی مرحوم بھی ایسے ہی
لوگوں میں شامل تھے۔ مرحوم نے تو یہاں تک اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ
قرآن میں دورِ جدید کے لیے دستوری دفعات موجود ہیں تو میں اسے پانچ ہزار روپے انعام دوں
گا۔ سید مودودیؒ نے "اسلامی ریاست" لکھ کر اس موضوع کا حق ادا کیا۔ بروہی صاحب ایسے
قائل ہوئے کہ پھر زندگی بھر اپنے آپ کو سیدؒ کا مرید اور شاگرد سمجھتے رہے۔

"تفہیمات" اور "تنقیحات" کے مضامین جس طرح عقدے کھولتے چلے جاتے ہیں وہ ہر قاری خود محسوس کر سکتا ہے۔ "سود" میں جس جرأت مندانہ طریقے سے ہر قسم کی مداہنت کا انکار کرتے ہوئے اسلام کا اقتصادی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اسے ہر غیر جانبدار شخص بنظر تحسین دیکھتا ہے 'مگر بدقسمتی سے بعض دینی شخصیات اس موضوع پر اختلافی رائے رکھتی تھیں جن کے پیروکاروں نے آج تک سیدؒ کو معاف نہیں کیا۔ "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" اپنے موضوع پر ایسی علمی کتاب ہے کہ کئی جامعات کے ایم اے کے نصاب میں تجویز کی گئی جملہ کتب کے درمیان نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ عمرانیات کے اساتذہ اور طلباء اس کی علمی قدر و قیمت کو سلام اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ اس خشک موضوع کو جس خوبصورتی سے سیدؒ نے نبھایا ہے وہ دماغ کے ساتھ ساتھ دل کو بھی متاثر کرتا ہے۔ "سیرت سرورِ عالمؐ" اگر مکمل ہو جاتی تو خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کے مجموعوں میں اس کا مقام بہت نمایاں ہوتا۔ "یہودیت و نصرانیت" ان دو الہامی مذاہب کے اوپر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے۔

سیدؒ کی کتابوں کا احاطہ کسی ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ سیدؒ کے قلمی جہاد کا شاہکار ان کی تفسیر "تفہیم القرآن" ہے۔ راقم کو عربی اور اردو کی تفاسیر میں سے کئی ایک کو دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ میری ناقص رائے میں تمام مطبوعہ تفاسیر کے درمیان اپنی جامعیت کے لحاظ سے تفہیم منفرد ہے۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علومِ قرآنی کی بڑی خدمت کی ہے۔ ہر مفسر نے اپنی طبیعت اور میلان کے رنگ میں بعض خاص پہلوؤں کو زیادہ توجہ اور انہماک کے ساتھ اجاگر کیا ہے اور بڑے ہی قیمتی لعل و جواہر سینۂ قرطاس پہ پھیلا دیے ہیں جن کو دیکھ کر انسان جھوم اٹھتا ہے۔ سید مودودیؒ نے اپنی تفسیر میں کسی ایک پہلو کو اجاگر کرنے کی بجائے اسلام کی جامعیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ ابن کثیر' ابن جریر' ابن الجوزی اور قرطبی کی طرح احادیث کے حوالے اور اہم تاریخی واقعات کو بھی قلمبند کردیا ہے اور موقع کی مناسبت کے مطابق جہاں ضرورت محسوس کی ہے' وہاں زمخشری اور بیضاوی کی طرح الفاظ کی تشریح بھی کردی ہے۔ علامہ محمود آلوسی اور امام رازیؒ کی طرح بڑی سے بڑی شخصیات سے دلائل کے ساتھ اختلاف بھی کیا ہے 'مگر شیخ محمد عبدہٗ اور رشید رضا کی طرح بلا دلیل محض ذاتی میلان سے کچھ نہیں لکھا۔ اسلام کی معاشرت اور معیشت' عسکریت اور نظام قانون' روحانیت اور مادی ضروریات و احتیاج کی جامع تصویر کشی تفہیم کے صفحات میں نظر آتی

ہے۔ معاصرین میں دیگر مفسرین کا بھی بڑا بلند پایہ ہے۔ سید قطب شہیدؒ کی "فی ظلال القرآن" ہو یا مولانا مفتی محمد شفیع کی "معارف القرآن" مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" ہو یا شیخ الہند محمود الحسن کا ترجمہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حاشیے ہوں سعید حوٰی کی "الاساس فی التفسیر" ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی "تدبر قرآن" ہر ایک کا اپنا اپنا رنگ ہے اور تشنگان علم کے لیے سبھی چشمہ آب حیات کی حیثیت رکھتی ہیں تاہم تفہیم کا ان ساری تفسیروں کے درمیان اپنا ایک امتیازی انداز اور اچھوتا طرزِ بیان ہے۔ تفہیم کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ خالق کا پیغام ہے' اپنے بندوں کے نام' جس میں اس نے قیامت تک انسان کو زندگی گزارنے کا جامع اور ابدی طریقہ نہایت آسان پیرائے میں سکھا دیا ہے۔

سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ اپنے تفسیری حاشیے میں قاری کو ذہنی اور قلبی طور پر اپنے ساتھ لیکر چلتے ہیں۔ کوئی بہت بڑا عالم اور فلسفی ہو یا معمولی پڑھا لکھا دیہاتی' ہر ایک اپنی ذہنی استطاعت کے مطابق اپنا دامن موتیوں سے بھر سکتا ہے اور کسی کو بھی تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔ سید مودودیؒ نے تفہیم کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے جو اصول بیان کر دیے ہیں' وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ تفہیم سے متعارف ہو جانے والا قاری پھر زندگی بھر اس سے بچھڑنا گوارا نہیں کرتا۔ ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جنھوں نے بیسیوں مرتبہ تفہیم القرآن کو بالاستیعاب اول سے آخر تک پڑھا ہے۔

اس مضمون میں سید مرحومؒ کی تمام کتابوں کا احاطہ ممکن بھی نہیں اور مقصود بھی نہیں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" "اسلامی نظام زندگی" "انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" "اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر" "سلامتی کا راستہ" "شہادت حق" "نشری تقریریں" اور دیگر چھوٹے چھوٹے کتابچے اتنے اہم' ایمان افروز اور معلومات افزا ہیں کہ ہر ایک کا اپنا مقام ہے۔ ان سب کا یہ حق ہے کہ ہر ایک پر الگ مقالہ لکھا جائے۔

ہم عصر اسلامی تحریکیں "اخوان المسلمون" اور اس سے نکلنے والی مختلف تنظیمیں "نورسی تحریک" اور اس کے متاثرین' افریقہ' یورپ' امریکہ اور مشرق بعید کی اصلاحی اور اسلامی تحریکات' سب سید مودودیؒ کی فکر سے متاثر ہیں اور ان کی کتب کی خوشہ چین!

سید مودودیؒ سے لوگ محض ان کے علم ہی سے متاثر نہیں ہیں بلکہ ان کی حکمت نے بھی سب کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ منہ زور طوفانوں کے درمیان بہادری سے قیادت کا حق ادا کیا اور حکمت و دانش سے تحریک کو دشمن کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔ یہ ان کی جامع شخصیت کی بہت

بڑی دلیل ہے۔

سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی برپا کی ہوئی (تحریک) "جماعتِ اسلامی" کے نام سے پاکستان ' ہند' بنگلہ دیش ' سری لنکا' مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں سرگرم عمل ہے۔ ان تمام خطوں میں حالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں ' اس لیے اپنے اپنے حالات کے مطابق غلبۂ اسلام کے لئے جماعتِ اسلامی کے لوگ ہر جگہ جدّوجہد میں مصروف ہیں۔

جماعت کے قائم کردہ بہت سے دعوتی و تبلیغی ادارے امریکہ' یورپ اور افریقہ میں مختلف ناموں سے اسلام کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ جہادِ افغانستان میں شریک مختلف تنظیمیں بھی سید مودودیؒ کی فکر سے براہ راست متاثر ہیں اگرچہ وہ مختلف ناموں سے معروف و متعارف ہیں۔

جماعتِ اسلامی کو قائم ہوئے نصف صدی بیت گئی ہے۔ جماعت کا کام خاصا پھیل چکا ہے۔ اسکی پچاس سالہ تقریبات ملک اور بیرون ملک منعقد ہو رہی ہیں۔ ان تقریبات کا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں' دیکھیں کا ہم نے کیا کچھ حاصل کیا ہے اور کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔ آئندہ کون سی مشکلات پیش آنے والی ہیں اور ان سے عہدہ برا ہونے کی کیا کیا صورتیں ممکن ہوں گی ۔ جماعت میں پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ کچھ مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں جو ایک فطری بات ہے۔ ان مسائل کو دیکھ کر گھبرا اٹھنا اور بددل ہوجانا تحریکی فکر کے خلاف ہے اور ان سے آنکھیں بند کرلینا خودکشی کے مترادف۔

سید مودودیؒ کی زندگی میں بھی جماعت میں وسعت اور پھیلاؤ سرعت اور تسلسل کے ساتھ جاری تھا۔ مسائل بھی پیدا ہوتے تھے اور ان کا حل بھی سوچا جاتا تھا۔ بعض ساتھی بیرونی یا اندرونی مسائل و مشکلات اور شکوہ و شکایات کی وجہ سے الگ بھی ہوتے رہے ہیں مگر قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا۔ سید مودودیؒ نے جہاں اپنی کتب کی صورت میں ایک بے بہا دولت امت کے لیے چھوڑی ہے وہیں انھوں نے جماعت کو بھی مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے مضبوط بنیادوں پر قائم کیا اور اسے ایسی روایات دیں جو جماعتی زندگی کیلئے نمو اور ارتقاء کی ضامن ہیں۔ مخصوص معاملات میں بلا توقف سرِ تسلیم خم اور تدبیرو تطبیق کے معاملات میں غور و فکر اور منصوبہ بندی ۔ جماعت کو چلانے کیلئے اطاعت فی المعروف کا اصول اور شورائیت و احتساب کا اہتمام ۔ الحمدللہ یہ سب روایات قائم ہیں اور ان پر عمل درآمد جماعت کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

آج کے دور میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں فیصلے کرنے کیلئے سرعت بھی ضروری

ہے اور احتیاط بھی۔

سید مودودیؒ نے جس انداز میں اپنے ساتھیوں کی تربیت کی تھی اس میں ان دونوں امور کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ ایک مخصوص مزاج اس تربیت کے نتیجے میں تشکیل پا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک اور بیرون ملک پھیلے ہوئے جملہ کارکنان کسی ایک موضوع پر تقریباً یکساں سوچ رکھتے تھے اور اس پر ان کے بیانات میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی تھی۔ آج بھی کارکن کے اندر یہ جوہر پیدا ہوسکتا ہے مگر اس کے لیے سیدؒ کے چھوڑے ہوئے علمی ورثے کی طرف رجوع کی ضرورت ہے۔ ہمارے لوگوں میں اب مطالعے کا شوق کافی حد تک کم ہوگیا ہے۔ پچاس سالہ تقریبات کے پیغامات میں سے ایک پیغام یہ بھی ہونا چاہیے کہ کارکن کا کتاب سے رشتہ جڑ جائے۔ اسی سے یقین کی دولت ملے گی' اسی سے خودی پروان چڑھے گی' اسی سے دل و نگاہ مسلمان ہوں گے اور اسی سے منزل کا سراغ ملے گا۔

یہ ذکرِ نیم شبی ' یہ مراقبے ' یہ سرور
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جماعتِ اسلامی کی ۵۰ سالہ تقریبات کے موقع پر ——
تین نئی کتابیں

جماعتِ اسلامی انصاف کے دروازے پر
—— از: معروف شاہ شیرازی
یہ کتاب ۱۹۶۳ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر ہونے والی تعاریر، بیانات، واقعات، معلومات اور عدالتی فیصلوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔
قیمت: ۳۳ روپے

مدارسِ عربیہ اسلامیہ اور اسلامی انقلاب
از: معروف شاہ شیرازی
مقالات کے عنوانات یہ ہیں: مولانا مودودیؒ کا نظریۂ تعلیم اسلامی مدارس کی اہمیت، درس نظامی کی اصلاح۔ جدید مدارس کی اصلاح اور از سر نو درجہ بندی۔ میٹرک لیول پر درسِ نظامی گروپ کا اجرا۔
قیمت: ۱۵ روپے

مولانا مودودیؒ کے فکری کام کا ایک جائزہ
از: معروف شاہ شیرازی
مولانا مودودیؒ کے کام کی اساسی نوعیت اور علم و ادب پر اس کے عالمی اثرات۔ صفحات: ۴۰

اِدارۂ منشوراتِ اسلامی بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ، لاہور